Al-Azvā الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 36, Issue, 55, 2021
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

فوائد الفواد کی روشنی میں اعتقادی تربیت کی جہات

Aspects of Doctrinal Training in the Light of Fawā’id al-Fawād

حافظ مدثر فاروق*

سعید احمد**

Abstract:

Islam is the leading religion in all religions in which there is guidance in all aspects of life. Just as every religion and nation, instinctively adheres to certain spiritual practices and ideologies, how is it possible that Islam has abandoned guidance on this great and important aspect? Therefore, Islam has given a regular charter regarding beliefs and ideologies. After the last Messenger and his successors, it was felt necessary to explain these beliefs to masses and Sūfīs did this task with utmost attention .The scholarly and practical efforts of Sūfīs bring religious, moral and social reforms in society which gave it a new privileged status by covering the body of society with Islamic mantle . Most of the addressees of Sūfīs in subcontinent were infidels and polytheists. In this valley of disbelief, their priority was to inculcate the idea of oneness of God and his attributes in hearts and minds of non-Muslims.

Haḍrat Khawājah Nizām al-Dīn (may Allah have mercy on him) also followed the footsteps of other Sūfīs and perfumed the whole society with pure monotheism. He taught divinity and prophethood to disbelievers and polytheists . He also did doctrinal and practical training as well as put focus on all other beliefs. The following is a list of the efforts of Haḍrat Nizām al-Dīn (may Allah have mercy on him) about how he took the task of gathering the Scattered people of subcontinent by his Sūfistic reforms and played an important role in eradicating false beliefs and social evils.

Keywords: Nizām al-Dīn; Beliefs; Polytheists; Social evils; Fawā’id al-Fawād

---

*پی ایچ ڈی اسکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

**اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

اسلام تمام ادیان و مذاہب میں وہ ممتاز مذہب اور دین ہے، جس میں گوشہ ہائے حیات کے تمام پہلوؤں پر رہنمائی کا بیش بہا خزینہ موجود ہے۔ جس طرح ہر مذہب اور قوم خاص روحانی اعمال اور نظریات کا فطری طور پر التزام کرنے میں اہتمام کرتی ہے، کیسے ممکن ہے کہ اسلام نے اس عظیم اور اہم پہلو پر رہنمائی کو ترک کر دیا ہو؟ چنانچہ اسلام نے عقائد و نظریات کے حوالے سے باقاعدہ ایک چارٹر عطا کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ﴾۔[1]

''نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف، بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر''۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ، آخرت، ملائکہ، انبیائے کرام اور الہامی کتب پر ایمان کو بِرّ (عظیم نیکی) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اسلام کے بنیادی نظریات میں سے پانچ اعتقادات کا ذکر آیت مبارکہ کے ایک حصہ میں موجود ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی جن کی شرح عقائد نسفیہ مدارسِ اسلامیہ میں شامل نصاب ہے، آپ نے اسلام کے جن عقائد کو بیان کیا ہے، ان میں سے مذکورہ عقائد بنیادی اسلامی نظریات کے طور پر ذکر کیے ہیں۔ بالاختصار ان کے عناوین ہی ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

''اللہ رب العزت عالم کو وجود بخشنے والا اور اپنی ذات میں قدیم ہے۔ ازلی، ابدی ہے۔ زندہ، قدرت والا، کمال علم و سماعت والا، چاہت و ارادہ کو پورا کرنے والا ہے۔ جسم و جوہر سے اس کی ذات پاک ہے، کوئی شے اس کے مشابہ نہیں اور نہ ہی اس کے علم و قدرت سے باہر ہے۔ اسی طرح اس کی صفات بھی ازلی ہیں اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ وہی اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے۔ قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے جو مخلوق نہیں ہے، قبر کا عذاب یا ثواب، نکیرین کے سوالات اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جانا سب برحق ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن میزان، جنت اور دوزخ سب برحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بشر رسول، بشریت کی جانب ہی ارسال فرمائے جن میں سیدنا آدم علیہ السلام اولین اور جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام سب معصوم ہیں اور ان میں سب سے افضل جناب رسول اکرم ﷺ ہیں۔ ملائکہ اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ نے اپنے انبیاء پر کتابیں نازل فرمائیں۔ اولیائے کرام رحمہم اللہ کی کرامات بھی برحق ہیں''۔[2]

صوفیہ کرام کی علمی و عملی کاوشوں سے معاشرے میں مذہبی، اخلاقی اور سماجی اصلاحات کا وہ باب وا ہوا، جس نے سماج کے جسم پر اسلامی قبا اوڑھا کر اسے ایک نیا امتیازی رتبہ بخشا۔ صوفیۂ پاک و ہند کے مخاطبین میں

اکثریت کفار ومشرکین کی تھی۔ کفر کی اس وادی میں ان کی اولین ترجیح غیر مسلموں کے قلب وذہن میں خدائے واحد کی یکتائی اور اس کی صفاتِ قدرت کے متعلق نظریات کو راسخ کرنا تھا۔ سید خورشید احمد گیلانی کے بقول:

''جن حالات میں صوفیۂ کرام نے اشاعتِ اسلام کا کام سرانجام دیا، اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے ہندوستان کی اخلاقی اور معاشرتی حالت کا کماحقہ علم ہو۔ خداؤں کی حد سے بڑھی ہوئی کثرت، جنسی خواہشات کی بحرانی کیفیت، طبقاتی تقسیم اور معاشرتی امتیازات کی لعنت کے دور میں توحید پرستی کا درس، ضبطِ نفس کی تلقین اور انسانی وحدت و اخوت کا پیغام جس جاں گسل اور صبر آزما محنت کا متقاضی ہے، اسے ہر شخص بخوبی جانتا ہے اور صوفیہ نے بھی یہی کچھ کیا ہے۔ دلوں میں ایک خدا کے لئے جذبۂ عبادت اور محبت، کردار میں پاکیزگی اور عفت اور انسانوں کے مختلف طبقات میں وحدت و مودت پیدا کرکے صوفیہ نے تاریخ کا رخ موڑ دیا''۔[3]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مقدمین مشائخ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے چھوت چھات، طبقاتی مفاخرت، ماتحت افراد کے استحصال اور جنسی و سماجی خرافات کے ماحول میں توحیدِ خالص کی عطر بیز پھوار سے پورے معاشرے کو معطر و معنبر کیا اور سینکڑوں خداؤں کے پرستاروں میں ذاتِ باری تعالیٰ کی صفاتِ الہیہ کا درس دینے کے ساتھ ساتھ رزق، اولاد، عزت، ذلت، زندگی اور موت کا عطاکار بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہونے جیسے بنیادی نظریۂ وحدانیت کو فروغ دیا جو کہ تمام اسلامی نظریات کی اساس ہے۔ بعد ازاں دیگر جمیع عقائدِ اسلامیہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے اعتقادی و عملی تربیت کا انتظام بھی فرمایا۔ سطورِ ذیل میں حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی انہی مساعیٔ جمیلہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کے پیشِ نظر آپ علیہ الرحمۃ نے برصغیر کے معاشرہ میں عوام وخواص کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، عقائدِ باطلہ کی تہذیب کی اور معاشرتی بگاڑ کے خاتمہ میں اہم کردار ادا کیا۔

ا۔ حسنِ عقیدہ

ایمانیات واعتقادات کا تعلق صرف روحانی زندگی کے ساتھ ہی نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کو محیط ہے۔ حسنِ عقیدہ کی بدولت ہی انسان انعاماتِ خداوندی کا مستحق قرار پاتا ہے اور اسی پر جنت کا فیصلہ موقوف ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا اولین اور ترجیحی مقصد عقیدہ ہی کی اصلاح تھی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

''اول عنصر من العناصر تتشکّل منها الشّخصیّة السوّیة للطّفل هو ایمانه بالله تعالیٰ حقیقیّا یقینیّا مؤثرا فاعلالانّ هذا الایمان هو الذی یوجّه سلوکه''۔[4]

''سب سے پہلا عنصر جس سے کسی بچہ کی معتدل شخصیت تشکیل پاتی ہے، وہ اللہ کی ذات پر ایمان ہے کہ وہی ذات حقیقی ہے، یقینی ہے، تمام امور سرانجام دینے والی اور اس میں تاثیر پیدا کرنے والی ہے کیونکہ یہ ایمان ہی وہ چیز ہے جو اس کی راہوں کی سمت مقرر کرتا ہے''۔

عقائد اسلامیہ کے اہداف، مقاصد اور اس کی غایت کو بیان کرتے ہوئے ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے نیت کا اخلاص اور عبادت الٰہیہ ہے۔ دوسرا: عقل و فکر کی آزادی، تیسرا: نفسانی اور فکری راحت، چوتھا: قصد اور عمل کا معاملاتِ مخلوق اور عبادتِ الٰہی سے منحرف ہونے سے سلامتی، پانچواں: امور میں احتیاط اور کوشش، چھٹا: ایسی قوی امت تشکیل دینا جو اپنے دین کی سلامتی میں ہر چھوٹی بڑی، مہنگی سستی شے خرچ کرنے کا جذبہ رکھتی ہو، ساتواں: افراد اور جماعت کی اصلاح کے ساتھ دین و دنیا کی سعادت، ثواب اور اعزازات کو پانا ہے۔[5]

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کئی جہت سے اصلاحِ عقیدہ کی کامیاب سعی فرمائی۔ ایک موقع پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

'' فقط اللہ پر اعتقاد ہونا چاہئے۔ کسی اور پر نظر نہ لگانی چاہیے۔ آدمی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ دنیا اس کی نظروں میں اونٹ کی مینگنی کی طرح نہ ہو جائے''۔[6]

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ انسان کا اعتقاد پختہ ہونا چاہیئے، اس کے بغیر کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اعتقاد کی مثال اس بیج کی سی ہے جس سے عمل کا پودا پروان چڑھتا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے اعتقادی تربیت پہ خصوصی طور پہ زور دیا، جس کے نتیجہ میں برصغیر جیسا مختلف المذاہب معاشرہ خدائے بزرگ و برتر کی توحید کی مالا جپنے لگا اور اسلام کا پرچم پوری آب و تاب کے ساتھ لہرانے لگا۔

۲۔ نیت فی العمل

اسلام میں قبولیتِ اعمال کا دار و مدار نیت پر موقوف ہے۔ اگر کسی نیکی کے پسِ منظر میں شہرت یا مدح سرائی کارفرما ہو تو اس نیکی کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور محرومی انسان کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نیت کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى''۔[7]

''بے شک اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی''۔

یعنی اگر نیت خالص ہو گی تو عمل مقبول ہو گا بصورت دیگر مردود ہو گا۔

نیت کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''اصل میں نیت نیک ہونی چاہیے کیونکہ خلق کی نظر تو عمل پر ہے لیکن خدا کی نظر نیت پر ہے۔ جب نیت خدا کی طرف ہو تو تھوڑا سا عمل بھی پسندیدہ ہے''۔[8]

حضرت سلطان المشائخ کے مذکورہ بالا قول میں درحقیقت اس حدیث نبوی ﷺ کی جانب اشارہ تھا کہ

''إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ، وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ''۔[9]

''بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہارے اجسام کی جانب دیکھتا ہے اور نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کی جانب دیکھتا ہے''۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کے اس فرمان سے جہاں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ گاہے بگاہے اصلاحِ عقائد کی کوششیں کرتے رہتے تھے، وہیں یہ حقیقت بھی طشت از بام ہو جاتی ہے کہ صوفیۂ کرام شریعت اسلامیہ سے بے بہرہ نہیں ہوتے بلکہ ان کے فرامین قرآن و سنت کی تعلیمات کا ہی آئینہ ہوتے ہیں۔

۳۔ کیا حالتِ نزع میں اسلام کا اعتبار ہو گا؟

نزع کے وقت عذابِ الٰہی دیکھ کر خوف سے ایمان لانا شریعت میں معتبر نہیں ہے۔ ایمان بالغیب جو نزع سے پہلے کا ہے، وہی معتبر ہے۔ اس بارے میں حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

'' کافر لوگ مرتے وقت عذاب کو دیکھ لیں گے اور اس وقت ایمان لائیں گے۔ یہ ایمان کسی حساب میں نہیں۔ کیونکہ یہ ایمان بالغیب نہیں ہے۔ اگر مومن مرتے وقت توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے لیکن کافر لوگوں کا مرتے وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا''۔ [10]

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان بھی دراصل آیت کریمہ کی تفسیر و تشریح میں تھا کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو وہ بھی کہنے لگا میں بھی اس خالق و مالک پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور وہ اعلان کرنے لگا کہ

"اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔"[11]

''میں بھی مسلمان ہوں''۔

لیکن اس وقت کا ایمان اسے کوئی فائدہ نہ دے سکا، اسی آیت کریمہ کی جانب نظر کرتے ہوئے حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرتے وقت کافر کا ایمان قبول نہیں ہوتا، جس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث طیبہ کے ساتھ ساتھ قرآن کریم پر بھی گہری نظر تھی اور دوران گفتگو آپ رحمۃ اللہ علیہ قرآن و سنت کی تعلیمات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مریدین و متوسلین کی روحانی بالیدگی کا ساماں کیا کرتے تھے۔ ایک مجلس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے خاتمہ بالخیر کی علامات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" موت کی گھڑی بڑی کٹھن گھڑی ہے اور یہ جاننا بھی مشکل ہے کہ جانے والا ایمان کے ساتھ گیا یا بے ایمان۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ سلامتیٔ ایمان کی علامت یہ ہے کہ مرنے والے کا چہرہ رحلت کے وقت زرد ہو جائے اور ماتھے پر پسینہ آ جائے۔ اسی دوران فرمایا کہ انتقال کے وقت میری والدہ ماجدہ، سعادت کی یہی علامات رکھتی تھیں"۔[12]

اس فرمان میں جہاں آپ نے موت کی سختی و شدت کو بیان فرمایا، وہیں اپنا ایک مشاہدہ بھی بیان فرمایا کہ ایمان کی سلامتی کی علامت کیا ہے؟ بعد ازاں ایسی علامت بیان فرمائی جو عوام الناس کے فہم میں بآسانی سما سکتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اگر کسی پر عالمِ نزع میں یہ کیفیت طاری نہ ہو تو اس کا ایمان سلامت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ محض آپ کا مشاہدہ ہے اور اولیائے کاملین کا مشاہدہ دلیل قطعی نہیں ہوتا بلکہ اس کی حیثیت دلیل ظنی کی ہوتی ہے۔

۴۔اسمِ اعظم کی حقیقت

اسمِ اعظم تصوف کی دنیا میں ایک بہت اہم راز ہے، جس پر متعدد مشائخِ طریقت نے اپنے اپنے اعتبار سے اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اسمِ اعظم کے متعلق حضرت ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ کے حوالے سے جو بات ذکر فرمائی ہے وہ بہت ہی قابل غور اور توجہ کے لائق ہے۔آپ فرماتے ہیں:

"حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ کو اسم اعظم یاد ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! یاد ہے۔سائل نے عرض کی کہ بتایئے کون سا ہے؟

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

معدے کو حرام لقمہ سے پاک رکھو اور دل کو دنیا کی محبت سے خالی کر لو۔ اس کے بعد جس نام سے بھی خدا کو پکاروگے وہی اسم اعظم ہے"۔[13]

گویا یہ بتلا دیا گیا کہ اسمِ اعظم کوئی مخصوص وظیفہ نہیں ہے۔ اگر انسان کا پیٹ حرام سے غذا حاصل کر رہا ہو اور اس کا دل حبِ دنیا کی آماجگاہ ہو، اس صورت میں وہ جتنے مرضی وظائف کرتا رہے، جتنے مرضی اوراد کو حرزِ جاں بناتا رہے، وہ قطعاً مراد حاصل نہیں کر سکتا۔ درحقیقت حضرت سلطان المشائخ علیہ الرحمۃ نے اس فرمان کی روشنی میں بنیاد کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ بنیاد ہی درست نہیں ہو گی تو اعمال کی عمارت کیسے استوار رہ سکے گی؟ گویا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نباضِ عصر ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے امراضِ معاشرہ کی تشخیص فرمائی اور ان کے تدارک کے لئے مناسب اقدامات فرمائے۔

۵۔دیدارِ الٰہی

احادیث و آثار اس بات پر شاہد و عادل ہیں کہ قیامت کے دن بندۂ مومن کو دیدارِ الٰہی کی نعمت سے فیضیاب

کیا جائے گا۔ دیدارِ الٰہی کی نعمت دنیا و مافیہا کے تمام انعامات سے بڑھ کر ہو گی۔ خواجہ امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلس میں اسی کی بابت دریافت کیا کہ کیا کل قیامت کے دن مومنوں کو دیدار الٰہی کی نعمت ملے گی؟ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہاں، ضرور ملے گی۔

انہوں نے پھر پوچھا کہ کیا وہ اس کے بعد دوسری نعمتوں کی طرف نہیں دیکھیں گے؟

ارشاد فرمایا: ''جب اس نعمت کا مشاہدہ کر لیں گے تو کئی ہزار سال تک حیرت میں مبتلا رہیں گے۔ اس موقع پر زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ بڑی کم نظری ہو گی کہ اس کے بعد کسی اور چیز کو دیکھیں''۔[14]

اہلِ جنت دیدارِ باری تعالیٰ کی نعمت سے سرشار ہو کر اس قدر مدہوش ہوں گے کہ انہیں سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کسی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہ ہو گی۔ اسی حقیقت کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ دیدارِ الٰہی کے بعد کسی اور چیز کی طرف دیکھنا کم نظری ہی ہو گی، کیونکہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نہیں آیا جاتا۔

۶۔انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق عقائد

امت کا متفقہ اجماع ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام خدا کے برگزیدہ اور چنیدہ بندے ہیں جو معصوم عن الخطاء ہیں۔ ان سے خطاء کا احتمال ممکن نہیں ہے۔ اسی عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''انبیاء معصوم ہیں اور فقراء کے نزدیک اولیاء بھی معصوم ہیں، لیکن انبیاء واجب العصمت ہیں یعنی انبیاء لازمی معصوم ہوتے ہیں جبکہ اولیاء جائز العصمت ہیں یعنی اولیاء بھی معصوم ہو سکتے ہیں''۔[15]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ باطل اور فاسد عقائد کی زجر و توبیخ فرما کر ان کی تہذیب و اصلاح کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔ بعض خام خیال متصوفین کا گمان ہے کہ اولیاء، انبیاء پر فضیلت رکھتے ہیں۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظریے کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اولیاء، انبیاء پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ انبیاء کا اکثر وقت خلقت کے ساتھ مشغولی میں گزرتا ہے۔ یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کیونکہ انبیاء اگرچہ خلق میں مشغول رہتے ہیں لیکن جس وقت وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں، وہ ایک وقت اولیاء کے سارے اوقات پر شرف رکھتا ہے''۔[16]

اللہ تعالی کی جانب سے تمام انبیاء علیہم السلام کے انتقال کے وقت انہیں مزید دنیا میں زندہ رہنے کی مہلت

دی جاتی ہے۔ اس بارے میں نبی کریم ﷺ کے اختیار کا ذکر کرتے ہوئے حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ہر پیغمبر کو انتقال کے وقت اختیار دیا جاتا ہے۔ فرمان ہوتا ہے کہ تمہیں اختیار ہے اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ اور عرصہ دنیا میں رہو تو رہ سکتے ہو۔ اگر نہیں چاہتے تو انتقال کرو۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رحلت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دل میں خیال کیا کہ کسے خبر کہ رسول علیہ الصلاۃ والسلام اس میں خوش ہیں کہ کچھ عرصہ مزید صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان رونق افروز رہیں یا اس میں خوش ہیں کہ عالمِ بقا کو سدھاریں۔ یہ بات دل میں سوچی اور آپ ﷺ کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگیں۔ نبی اکرم ﷺ نے زبان مبارک سے وصال کے وقت ارشاد فرمایا:

اے سب سے بڑے مہربان! تیری رحمت سے رسولوں اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ''۔[17]

گویا نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے باطن میں پوشیدہ بات کو جان لیا اور از خود ایک جملہ میں اس کا جواب مرحمت فرمادیا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شرف کو ترجیح دیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ معراج کس قسم کا تھا؟

آپ نے فرمایا: ''مکہ سے بیت المقدس تک اسراء تھا، بیت المقدس سے فلکِ اول تک معراج اور فلکِ اول سے قاب قوسین تک اعراج تھا۔

سائل نے مزید کرید کر پوچھا کہ قلب کو معراج ہوا، قالب اور روح کو کیسے ہوا ہوگا؟ جواباً آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: بس نیک گمان کرو اور نیکوں کے متعلق مت پوچھو۔ مزید اسی ضمن میں ارشاد فرمایا:

ان پر ایمان لانا چاہیے اور ان کی بابت بہت زیادہ تفتیش اور چھان بین نہیں کرنی چاہیے''۔[18]

اس ایک جملہ کے ساتھ حضرت سلطان المشائخ علیہ الرحمۃ نے سدّ ذرائع کر دیا اور واضح کر دیا کہ اس قسم کے وساوس دراصل شیطان کی جانب سے ہوتے ہیں۔ ایسی بحوث کہ معراج جسمانی ہوا یا روحانی وغیرہ سے اجتناب کرتے ہوئے انسان کو اپنے نفس کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

۷۔ نظر اور جادو

نظر لگنا برحق ہے، کثیر روایاتِ حدیث اس پر دالّ ہیں۔ حضرت خواجہ امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز چند مریدوں نے ایک ساتھ قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا:

''کیا تم سب ایک ساتھ آئے ہو؟

عرض کی گئی کہ ہر شخص گھر سے تو الگ الگ آیا تھا، یہاں آکر جمع ہوئے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الگ الگ آنا بہتر ہے کیونکہ شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے کہ الگ الگ آنا بہتر ہے کیونکہ نظر لگنا برحق ہے"۔[19]

اس نصیحت کے پیش نظر دراصل برادرانِ یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی کی جانے والی نصیحت تھی کہ

﴿لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾[20]

"تم سب ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا"۔

اسی طرح ایک اور موقع پر حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نظر لگنا بھی برحق ہے اور جادو بھی برحق ہے۔ نظر اور جادو کا اثر ہوتا ہے۔ معتزلہ اسے نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ جادو اور نظر کا اثر فوراً ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ محض وہم ہے لیکن ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے"۔[21]

مذکورہ بالا روایت سے واضح ہوا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ دورانِ گفتگو اگر کسی باطل نظریہ کا ذکر آتا تو آپ اسے بھی بیان فرمادیتے تھے تاکہ سامعین کے لئے علم کے ساتھ ساتھ اصلاح کا پہلو بھی مدِ نظر رکھا جائے۔آپ نہ صرف یہ کہ اس باطل نظریہ کی تردید فرمایا کرتے تھے بلکہ شافی وکافی جوابات کے ساتھ اشکالات کا ازالہ بھی فرمایا کرتے تھے، جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ احوال زمانہ سے واقف وآگاہ تھے۔

۸۔ معجزہ اور کرامت میں فرق

جامعِ فوائد الفواد حضرت خواجہ امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں معجزہ اور کرامت کا ذکر چل نکلا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے چار درجے ہیں۔ معجزہ، کرامت، معونت اور استدراج۔ معجزہ انبیاء کی چیز ہے جن کا علم بھی کامل ہوتا ہے اور عمل بھی کامل ہوتا ہے اور وہ صاحبِ وحی ہوتے ہیں۔ جو کچھ دکھاتے ہیں، وہ معجزہ ہوتا ہے جبکہ کرامت اولیاء سے متعلق ہوتی ہے۔ علم و عمل ان کا بھی مکمل ہوتا ہے، فرق بس یہ ہے کہ وہ مغلوب ہوتے ہیں اور ان سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ کرامت کہلاتا ہے۔ جبکہ بعض دیوانے جو نہ علم رکھتے ہیں نہ عمل، ان سے بھی کبھی کبھی کوئی بات خلافِ عادت سرزد ہوتی دکھائی دیتی ہے، اسے معونت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک گروہ جو قطعاً ایمان نہیں رکھتا، جیسے جادوگر وغیرہ۔ان سے کوئی چیز ظاہر ہو تو وہ استدراج کہلاتی ہے۔[22]

حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تقسیم اس مسئلہ کی تفہیم کے لئے انتہائی ممد و معاون ہے۔ عموماً خارق العادت امور دیکھ کر لوگ گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں، اسی لئے آپ نے تخصیص فرما دی تاکہ محض

خلافِ عادت کام کو ہی دلیل نہ بنایا جائے بلکہ ظاہری و باطنی اعمال کے پیشِ نظر ہی انتخاب کیا جائے اور ارادتمندی کا دامن تھاما جائے۔

۹۔ کیامرتکب الکبائر مخلّد فی النار ہوں گے؟

اس مسئلہ میں اہلسنت اور معتزلہ کے درمیان اختلاف ہے، معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ کفار کی طرح کبیرہ گناہوں کا مرتکب بھی ہمیشہ کے لئے جہنم کا مستحق ہوگا جبکہ جمہور کا موقف ہے کہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ سزا پوری کرنے کے بعد بالآخر عذاب سے نجات پائے گا اور جنت کی ابدی نعمتوں سے سرفراز ہوگا۔ حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مجلس میں اسی مسئلہ کے حوالہ سے معتزلہ کا تذکرہ ہوا۔ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

"معتزلہ حکم لگاتے ہیں کہ کافر اور کبیرہ گناہ کرنے والے یکساں ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ بات غلط ہے، مذہب تو یہ کہتا ہے کہ کافر مستقل عذاب میں رہیں گے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جن چیزوں کی وہ پوجا کرتے ہیں وہ ان کے معبود ہیں، کیونکہ ان کا کفر پر اعتقاد دائم ہے، پس ان کا عذاب بھی دائم ہوگا۔ البتہ بڑے بڑے گناہ کرنے والے مستقل اور برابر گناہ میں نہیں رہتے۔ جب وہ گناہ کرتے ہیں تو اس وقت یہ بھی سوچتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا، غلط کیا اور یہ جائز نہ تھا۔ کیونکہ بڑے گناہوں میں ان کا اعتقاد ایک جیسا نہیں ہوتا، اس لیے ان کا عذاب بھی ہمیشہ نہیں رہے گا"۔[23]

اسی کی دلیل کے طور پر حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گناہ گار گناہ کرتے وقت تین حیثیت سے خدا کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، یہ جائز نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ خدائے تعالی واقف و آگاہ ہے اور وہ دیکھ رہا ہے۔ تیسری بات یہ کہ اس کو بخشش کی آس بھی لگی رہتی ہے۔ یہ تینوں عقیدے رکھنا اطاعت گزاروں کا کام ہے۔[24]

لہٰذا جب گناہگار اطاعت گذاروں میں شمار کیا جائے گا تو قیامت کے دن بھی انہی کے زمرہ میں اٹھایا جائے گا اور بالآخر جنت کی نعمتوں سے فیضیاب ہوگا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر توبہ کے وفات پانے والے مسلمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر مومن بغیر توبہ کے دنیا سے چلا جاتا ہے تو تین طرح کے احتمال ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اسے ایمان کی برکت سے بخش دے یا اپنے فضل سے معاف فرما دے یا کسی کی شفاعت سے بخشش فرما دے اور اگر دوزخ میں لے جائے تو اس کے گناہ کی مقدار کے موافق اس کو عذاب دے اور پھر جنت میں لے جائے، لیکن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھے گا کیونکہ وہ ایمان کے ساتھ دنیا میں رہا ہے اور ایمان کی حالت میں رخصت ہوا ہے"۔[25]

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ مسلمان گناہگار کے لئے چونکہ یہ تین قسم کے احتمالات ہوتے ہیں جو کہ ایمان کی علامات ہیں، لہٰذا وہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن نہیں بنے گا بلکہ گناہوں کی سزا کے بعد اسے انعاماتِ خداوندی سے سرفراز کیا جائے گا۔

۱۰۔اخلاص وللّٰہیت

اسلام میں تمام اعمال کا دارومدار اخلاص پر ہے۔ زندگی بھر کی عبادت اس وقت اکارت ہو جاتی ہے جب اس میں اخلاص باقی نہ رہے۔ انسانوں کے تعلقات بھی اگر اخلاص پر استوار ہوں تو پائیدار رہتے ہیں۔ ہر وہ تحریک جو رضاکارانہ بنیادوں پر اٹھائی گئی ہو، اس کی بنیاد میں اگر اخلاص موجود نہ ہو تو وہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسان کی روحانی و اخلاقی فلاح اور مسائل زندگی کی اصلاح کے لئے ربِ لم یزل کی جانب سے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوس قدسیہ منصبِ نبوت پر فائز ہوئے۔ مختلف زمانوں اور مختلف اقوام کے انبیاء کے درمیان جو قدر مشترک ہمیشہ موجود رہی، وہ اخلاص وللّٰہیت ہی تھی۔ منصبِ رسالت پر فائز ہونے والی ہر ذات گرامی نے آغازِ تبلیغ سے ہی اپنی بے غرضی، بے نفسی اور اخلاص کا یقین دلایا، گویا وہ یہ جانتے تھے کہ جو پودا ہم لگانا چاہتے ہیں وہ اخلاص کے پانی کے بغیر نمو نہیں پا سکتا۔ اخلاص کی اسی وقعت و اہمیت کے پیش نظر حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"احب الاعمال علیّ الاخلاص فی العمل [26]"

"میرے نزدیک اعمال میں سے محبوب ترین امر وہ اخلاص ہے جو عمل میں ہو"۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے حقیقی وارث صوفیۂ کرام کی مکمل زندگی اسی اخلاص سے عبارت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کی قرآنی تعبیر اخلاص بھی ہے۔ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ﴾ [27]

"آپ فرما دیجئے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، اس حال میں کہ میں تابعداری کو اسی کی ذات کے لئے خالص کرنے والا ہوں"۔

اخلاص کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ذاتِ حق ہی مطلوبِ عبادت ہو، یعنی جزاو سزا سے قطع نظر اپنے مالک حقیقی کی رضا مقصود ہو۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

مشہور صوفی ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الاعمال کلها اشباح و اجساد ، وارواحها وجود الاخلاص فيها [28]

"اعمال خالی ڈھانچوں کی مثل ہیں اور ان کی روح اخلاص ہے"۔

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صوفی کی علامات میں سے ایک علامت پیکرِ اخلاص ہونا بھی ہے۔ ایک مجلس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ صوفی کسے کہتے ہیں؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”صوفی اسے کہتے ہیں کہ جس کا دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی مانند دنیا کی دوستی سے بری ہو اور حق تعالیٰ کے فرمان کو بجالانے والا ہو۔ جس کی تسلیم و رضا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تسلیم و رضا کی مانند ہو۔ جس کا صبر، حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کی مثل ہو۔ جس کا شوق، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شوق کے جیسا ہو اور جس کا اخلاص، سرور عالم، سید کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اخلاص کی مثل ہو“۔[29]

مذکورہ قول سے اخلاص کی وقعت واہمیت کا احساس بخوبی ہو جاتا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ خود بھی پیکرِ اخلاص تھے بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ملفوظات کی روشنی میں اخلاص کی ترویج و اشاعت کا کام بھی سرانجام دیتے تھے۔

۱۱۔ توکل

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے توکل کی تین درجات میں درجہ بندی فرمائی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے دعوے کے لئے کسی کو اپنا وکیل مقرر کرے۔ وہ عالم بھی ہو اور مؤکل کا دوست بھی، پس اس مؤکل کو اطمینان ہوگا کہ میرا وکیل اپنے کام اور مقدمہ میں ہوشیار بھی ہے اور میرا دوست بھی ہے۔ اس صورت میں توکل بھی ہے اور سوال بھی، کیونکہ کبھی کبھی وہ اپنے وکیل سے یہ بھی کہے گا کہ اس دعوے میں اس طرح جواب دینا اور اس کام کو اس طرح پورا کرنا۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ جیسے کوئی دودھ پیتا بچہ ہو۔ اس کی ماں اس کو دودھ پلاتی ہے۔ اس کو محض توکل ہوتا ہے سوال نہیں ہوتا، بچہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے فلاں وقت دودھ دینا، بس رونے لگتا ہے، وہ تقاضا نہیں کرتا اور یہ نہیں کہتا کہ مجھے دودھ دو۔ اسے اپنی ماں کی شفقت پر بھروسہ ہوتا ہے۔ تیسرے درجہ کی مثال غسلِ میت دینے والے کے سامنے مردے کی سی ہے۔ مردہ نہلانے والے سے کوئی سوال نہیں کرتا اور اس سے کوئی حرکت سرزد نہیں ہوتی۔ نہلانے والا جس طرح بھی اسے ضرورت ہوتی ہے، اسے پھیرتا اور نہلاتا ہے۔ توکل کا تیسرا مرتبہ یہی ہے اور یہی مرتبہ اعلیٰ اور بلند ہے۔[30]

مذکورہ بالا تینوں درجات عوام، خواص اور اخص الخواص کے اعتبار سے ہیں۔ ان تینوں میں سے کسی ایک درجہ کو اختیار کرنا از حد ضروری ہے، اس کے بغیر خوش و خرم زندگی کا تصور ناممکن ہے، کیونکہ متوکل کو ایک گونہ سکون و اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

۱۲۔ حقیقت توبہ و اقسام توبہ

حقیقتِ توبہ و اقسامِ توبہ بیعت و ارادت کا اولین مقصد مریدین سے سابقہ گناہوں کی توبہ کروانا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزمِ مصمم کروانا ہے۔ اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ بیعت و ارادت میں توبہ کس قدر اہمیت کی حامل

ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر توبہ کے حوالہ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ایک مجلس میں توبہ کی اقسام کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''توبہ کی تین اقسام ہیں: حال، ماضی اور مستقبل۔ حال تو یہ ہے کہ اپنے گناہ پر پشیمان ہو یعنی جو گناہ کیا ہے اس پر ندامت کا اظہار کرے۔ ماضی یہ ہے کہ دشمنوں کو خوش کرے۔ اگر کسی کے دس درہم غصب کئے ہیں تو صرف توبہ توبہ کہتے پھرنے سے توبہ نہیں ہوگی۔ حقیقت میں توبہ یہ ہوگی کہ دس درہم اس کو واپس کرے اور اس کو خوش کرے، اس وقت اس کی توبہ قبول ہوگی۔ اگر کسی کو برا کہا ہے تو اس کے پاس جائے اور معذرت کرے اور اس سے معافی کا طلبگار ہو اور راضی نامہ حاصل کرے۔ اگر جس شخص کو برا کہا ہے، وہ مر چکا ہے تو کیا کرے؟ یہ کہ جس قدر اس کو اس کی زندگی میں برا کہا تھا، اس کے مرنے کے بعد اس کو اتنا ہی اچھا کہے اور بھلائی کے ساتھ یاد کرے۔ اگر کسی کو قتل کر دیا اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے تو پھر کیا کرے؟ غلام آزاد کرے، کیونکہ مردے کو زندہ کر نہیں سکتے اس لیے غلام آزاد کرے۔ جو شخص غلام کو آزاد کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے مردہ کو زندہ کیا۔ توبہ کی تیسری قسم جو مستقبل کی صفت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ نیت کرے جو گناہ کیا تھا، وہ آئندہ نہیں کرے گا''۔[31]

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ محض فرمان ہی نہیں تھا بلکہ آپ عملی طور پر اس کا مظاہرہ بھی فرما چکے تھے۔ اپنے مریدین و متوسلین کی ترغیب کی خاطر آپ علیہ الرحمۃ نے اسی ضمن میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ جب میں حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہوا اور توبہ کی تو آپ علیہ الرحمۃ نے چند مرتبہ زبان مبارک سے یہی فرمایا کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے اور حقدار لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے سلسلے میں حضرت شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر غلو فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ میں نے کسی کے بیس جیتل ادھار دینے ہیں اور ایک کتاب کسی سے عارضی طور پر مانگ کر لی تھی اور وہ کتاب میرے پاس سے گم ہو گئی تھی۔

جس وقت شیخ کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے دشمنوں کو خوش کرنے کے سلسلے میں تاکید سے ذکر فرمایا، میں سمجھ گیا کہ مخدوم چھپی ہوئی باتوں سے واقفیت رکھنے والے ہیں۔ لہٰذا دل میں ٹھان لی کہ اب جب دہلی جاؤں گا تو ان لوگوں کو خوش کروں گا۔ جب اجودھن سے دہلی آیا تو جس شخص کے بیس جیتل ادا کرنے تھے، وہ بزاز (کپڑے والا) تھا۔ اس سے میں نے کپڑا لیا تھا مگر کسی وقت بھی بیس جیتل اکٹھے جمع نہیں ہوتے تھے کہ اس کو پہنچاؤں۔ تنگدستی کا عالم تھا، کبھی پانچ جیتل ہاتھ آتے، کبھی دس۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دس جیتل ہاتھ آئے۔ میں نے اس بزاز کے گھر پر آ کر آواز دی، وہ گھر سے باہر آیا۔ میں نے اس سے کہا:

تمہارے بیس جیتل میرے ذمہ واجب الادا ہیں، اس کا موقع ہی نہیں ہوتا کہ اکٹھے ادا کروں۔ یہ دس جیتل لایا ہوں۔ یہ لے لیجئے، باقی ان شاء اللہ جلد پہنچا دوں گا۔

اس شخص نے جب یہ بات سنی تو بولا:

اچھا! شیخ کے پاس سے آ رہے ہو۔

پھر اس شخص نے دس جیتل مجھ سے لے لیے اور کہنے لگا:

باقی کے دس میں نے تمہیں بخش دیے۔

اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا، جس سے عاریتاً کتاب لایا تھا۔ جب اس سے ملا تو وہ پوچھنے لگا کہ تم کون ہو؟

میں نے کہا:

حضرت! میں ایک کتاب آپ سے عاریتاً لے گیا تھا، وہ میرے پاس سے گم ہو گئی ہے۔ اب میں اس کی ایسی ہی کاپی حاصل کروں گا جیسے تمہاری کتاب تھی۔ دوسری کتاب نقل کرا کے تمہیں پہنچا دوں گا۔ جب اس شخص نے یہ بات سنی تو بولا کہ جی ہاں! جہاں سے آپ آ رہے ہیں، یہ اسی کا پھل ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ میں نے وہ کتاب آپ کو بخشی، اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔[32]

قابلِ غور امر یہ ہے کہ حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے افعال و کردار کی وساطت سے اس حقیقت کو آشکار کیا کہ پہلے خود عمل کیا جائے اور بعد میں اصلاح کا بیڑا اٹھایا جائے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیمات آج بھی زندہ و جاوید ہیں اور ایک عالَم ان سے مستفید ہو رہا ہے۔

۱۳۔ مقصدِ حج

حج ایک اہم فریضہ ہے جو ارکانِ خمسہ میں شامل ہے۔ اسلام ریاکاری اور دکھلاوے کی مذمت کرتا ہے، حتیٰ کہ حج جیسی عظیم عبادت میں بھی ریاکاری شامل ہو تو وہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ نے اسی ضمن میں ارشاد فرمایا:

"بعض لوگ حج کو جاتے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو روزانہ بس اسی کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور ہر جگہ اسی کے قصے سناتے ہیں۔ یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں فلاں فلاں جگہ پھرا اور فلاں بزرگ کو دیکھا۔ ایک دوست نے اس سے کہا کہ حضرت! جہاں تم (پہلے) تھے، وہاں سے تو نہیں پھرے، پھر کیا فائدہ؟ یعنی پہلے کی طرح اب بھی غرور و تکبر میں مبتلا ہو تو اس حج کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟"[33]

حج بذاتِ خود ایک عاجزانہ و منکسرانہ عبادت ہے۔ یہ بندے کو عاجز بنا دیتی ہے۔ سب انسان بلا کسی تفریقِ رنگ و نسل دو سفید چادروں میں ملبوس ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں اور اپنے عمل سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کا حقیقی خالق و مالک اللہ رب العالمین ہے اور وہی تمام عالم کا پالنہار ہے۔ اس سے جہاں رب العالمین کی کبریائی اور بزرگی کا ثبوت ہوتا ہے، وہیں انسان کی عاجزی و انکساری کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ حج جیسی عبادت کے بعد بھی اگر انسان کے مزاج میں عجز و انکسار کی جھلک واضح نہ ہو، وہ حج کس کام کا اور اس کا کیا فائدہ؟

۱۴۔آدابِ دعا

دعا، عبادت کا مغز ہے اور اس سے دلی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ بندہ جب مصائب و مشکلات اور آزمائش سے دوچار ہوتا ہے تو ان پریشانیوں سے نجات کے لئے دعا اور مناجات کا سہارا لیتا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے آدابِ دعا کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا لبِ لباب اور خلاصہ یوں ہے:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ دعا کے وقت بندے کو چاہیے کہ جو گناہ کر چکا ہو، نہ تو ان کا خیال دل میں لائے اور نہ ہی کسی طاعت و عبادت کا، کیونکہ اگر عبادت کا خیال دل میں لائے گا تو غرور ہو گا اور متکبر کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی اور اگر گناہ کا دھیان دل میں ہو گا تو دعا کے یقین میں سستی آئے گی۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ دعا کے وقت اپنی نگاہ، خاص رحمتِ حق تعالیٰ پر رکھے اور یہ یقین ہونا چاہیے کہ دعا ضرور قبول ہو گی۔[34]

بعد ازاں آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے دعا کے آداب کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دعا کے وقت دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور سینے کے سامنے ہوں۔ دونوں ہاتھ خاصے بلند رکھنے چاہئیں، ایسی صورت بنانی چاہیے کہ گویا اسی وقت کوئی چیز اس کے ہاتھ میں ڈالی جائے گی۔ مزید آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور عقدہ وا فرمایا کہ دعا، حقیقت میں دل کی تسکین کے لیے ہے۔ وگرنہ اللہ رب العالمین خوب جانتا ہے کہ کیا کرنا چاہیے۔[35]

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات کی روشنی میں اگر کوئی وقتِ دعا ان آداب کو ملحوظِ خاطر رکھے تو یقیناً اس کی دعا سے خاطر خواہ فائدہ حاصل ہو گا۔ ایسی دعا، اجابت کے سہرے سے مزین ہو کر اور عنایت کے لباس میں ملبوس ہو کر قبولیت کی چوکھٹ پہ سلامی پیش کرتی ہے اور آزمائشوں سے سرخروئی کا پروانہ دلاتی ہے۔ بالفرض اگر ان آداب کو ملحوظ رکھنے کے باوجود بھی دعا قبول نہ ہو، پھر بھی دعا رائیگاں نہیں جاتی بلکہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول تسکینِ دل کا باعث بن جاتی ہے۔

خلاصہ کلام

عقائدِ اسلامیہ کا یہ اعجاز ہے کہ ان نظریات سے ہم آہنگ ہونے والا فرد اپنے افعال و احوال میں جہاں اپنے حقیقی رب سے منسلک ہو جاتا ہے، وہاں اپنے انفرادی سے اجتماعی معاملات تک درست راہوں کے تعین میں حقیقت کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت پسندی انسان کے حسنِ عقیدہ ہی کی مرہون منت ہے جو کہ اس کی فلاح کا ضامن بنتی ہے۔ برصغیر کی تاریخ اس پر شاہد و عادل ہے کہ جوں جوں لوگوں کے اعتقادات و نظریات اسلام سے ہم آہنگ ہوتے چلے گئے، معاشرے کی ظلمتیں کافور ہوتی گئیں، محبت و رواداری کو فروغ ملا اور حقوق و فرائض کے تعین نے معاشرے کو اعتدال و توازن کی راہ پر گامزن کر دیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ

علیہ نے اپنے فرمودات و ملفوظات کی روشنی میں برصغیر کے اس مختلف المذاہب معاشرے کو ایک خدا کی حقیقت سے آشنا کیا۔ انہیں بتوں کے سامنے جھکنے کی بجائے ربِ لم یزل کے سامنے عجز و نیاز کا پیکر بنادیا اور عظمتِ رفتہ سے ہمکنار کیا۔ یہ آپ ہی کی مساعیٔ جمیلہ کا ثمرہ تھا کہ سلاطینِ وقت بھی لہو ولعب سے کنارہ کشی اختیار کرکے خدائے بزرگ و برتر سے لَو لگا چکے تھے اور ان کے خدّام بھی جامِ توحید سے مخمور ہو رہے تھے۔ خطۂ برصغیر میں حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح معنوں میں اسلام کو اس کی بنیادوں پر استوار کیا اور دیگر رسومات و خرافات سے بالکلیہ اجتناب کیا اور معاشرے کو صحیح اسلامی تعلیمات کی روشنی سے منور کیا۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ البقرۃ، ۲:۱۷۷

Al-Baqarah, 2:177

2۔ التفتازانی، مسعود بن عمر سعد الدین، شرح العقائد النسفیۃ، کراتشی، مکتبۃ المدینۃ، (۲۰۱۲ء، ملخصاً)

Al-Taftazānī, Masʿūd ibn ʻUmar Saʻd al-Dīn, Sharḥ al-ʿAqā'id al-Nasfiyyah, Karachi, Maktabah al-Madīnah, (2012 AD)

3۔ خورشید احمد گیلانی، سید، روح تصوف، لاہور، کتاب محل، (س، ن)، ص: ۸۴

Khurshīd Aḥmad Gaylānī, Sayed, Rūḥ-e-Taṣawwuf, Lahore, Kitāb Maḥal, Pg# 84

4۔ نور الدین، ابو لحیۃ، الابعاد الشرعیۃ لتربیۃ الاولاد، القاہرۃ، دار الکتاب الحدیث، (۱۴۳۸ھ)، ص: ۷

Nūr al-Dīn, Abū Liḥyah, Al-Abʿād al-Sharʿiyah Li tarbiyyah al-Auwlād, Al-Qāhirah, Dār al-Kitāb al-ḥadīth, 1438H, Pg# 7

5۔ ابن العثیمین، محمد بن صالح، نبذۃ فی العقیدۃ الاسلامیۃ، المکۃ المکرمۃ، دار الثقۃ للنشر والتوزیع، (۱۹۹۲ھ)، ۶۶/۱

Ibn al-Uthaymīn, Muḥammad ibn Ṣāliḥ, Nubdhah fī al-ʿAqīdah al-Islāmiyyah, Makkah, Dār al-thiqah Li al-nashr w al-Tawzīʿ, 1992H, vol 1, Pg# 66

6۔ میر خورد کرمانی، محمد مبارک، سید، سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محب ھند، (۱۳۰۲ھ)، ص: ۵۵۱

Mīr Khurd Kirmānī, Muḥammad Mubārak, Sayed, Siyar al-Auwliyā', Dehlī, Publisher: Muḥibb Hind, 1302H, Pg# 551

7۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، دار طوق النجاۃ، ط۔۱، (۱۴۲۲ھ)، ج: ۱، ص: ۶، رقم الحدیث: ۱

Al Bukhārī, Muḥammad ibn Ismā'il, Al Jāmi'i al Ṣaḥiḥ, Kitāb: bad al-Waḥy, Bāb: Kaifa Kāna bad al-Waḥy, Dār ṭawq al-Najāh, Edition 2, 1422H, vol 6, Pg# 117, ḥadith #1

8۔ سجزی، امیر حسن، فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ)، مترجم: خواجہ حسن ثانی نظامی، لاہور، مکتبہ زاویہ، (۲۰۰۳ء)، ۱۶۷/۱

Sajzī, Amīr Ḥasan, Fawā'id al-Fawād, Translator: Khawājah Ḥassan Thānī Nizāmī, Lahore, Maktabah Zāvia, 2003AD, Vol 1, Pg# 167

9۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ۔۔۔۔، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج: ۴، ص: ۱۹۸۶، رقم الحدیث: ۲۵۶۴

Al Qushayrī, Muslim ibn al-Hajjāj, Ṣaḥiḥ Muslim, Kitāb: Al-Birr w al-Ṣilah wa al-Ādāb, Bāb: Taḥrīm al-Ẓulm Al-muslim….., Dār Iḥyā’ al-Turāth al-ʻArabī, Beirūt, Vol 4, Pg # 1986, ḥadith # 2564

10۔ فوائد الفواد، ۱/۱۹۶

Fawā’id al-Fawād, Vol 1, Pg# 196

11۔ یونس، ۱۰:۹۰

Yūnus, 10:9

12۔ محوّلہ بالا

Ibid;

13۔ فوائد الفواد، ۳/۲۶۴

Fawā’id al-Fawād, Vol 3, Pg# 264

14۔ فوائد الفواد، ۵/۴۴۶

Fawā’id al-Fawād, Vol 5, Pg# 446

15۔ فوائد الفواد، ۳/۲۵۸۔۲۵۹

Fawā’id al-Fawād, Vol 3, Pg# 258,259

16۔ فوائد الفواد، ۴/۲۹۶

Fawā’id al-Fawād, Vol 4, Pg# 296

17۔ فوائد الفواد، ۱/۱۸۷

Fawā’id al-Fawād, Vol 1, Pg# 187

18۔ سیر الاولیاء، ص: ۵۴۰

Siyar al-Auwliyā’, Pg# 540

19۔ فوائد الفواد، ۲/۲۲۴۔۲۲۵

Fawā’id al-Fawād, Vol 2, Pg# 224, 225

20۔ یوسف، ۱۲:۶۷

Yūsuf,12:67

21۔ فوائد الفواد، ۲/۲۲۵

Fawā’id al-Fawād,Vol 2, Pg# 225

22۔ محوّلہ بالا

Ibid;

23۔ فوائد الفواد، ۲/۲۲۶

Fawā’id al-Fawād, Vol 2, Pg# 226

24۔ محوّلہ بالا

Ibid;

25۔ فوائد الفواد، ۲۷۹/۳
Fawā'id al-Fawād, Vol 3, Pg# 279

26۔ ہجویری، علی بن عثمان، (داتا گنج بخش)، کشف المحجوب فارسی، لاہور، النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی، ط: اول، (۲۰۱۳ء)، ص: ۹۵
Hajwayrī, ʿAlī ibn Uthmān, Kashf al-Maḥjūb, Lahore, Al Nūriyyah al-Riḍwiyyah Publishing Company, Edition:1, 2013 AD, Pg #95

27۔ الزمر، ۳۹: ۱۴
Al-Zumar, 39:14

28۔ الشاذلی، عبدالقادر عیسٰی، حقائق عن التصوف، حلب، دار العرفان، الطبعۃ السادسۃ عشر، (۲۰۰۷ء)، ص: ۲۵۶
Al Shāẓlī, ʿabdul Qādir ʿīsā, Ḥaqāʾiq ʿan al-Taṣawwuf, Ḥalab, Dār al-ʿIrfān, Edition: 16, 2007 AD, Pg# 256

29۔ دہلوی، امیر خسرو، افضل الفوائد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء)، مترجم: محمد لطیف ملک، لاہور، مشتاق بک کارنر، (۲۰۱۵ء)، ص ۱۴۰۔۱۴۱
Dehalvī, Amīr Khusrw, Afḍal al-Fawāʾid, Translator: Muḥammad Laṭīf Malik, Lahore, Mushtāq Book Corner, 2015 AD, Pg # 140-141

30۔ فوائد الفواد، ۲۰۷/۲۔۲۰۸
Fawā'id al-Fawād, Vol 2, Pg# 207,208

31۔ فوائد الفواد، ۳۱۹/۴
Fawā'id al-Fawād, Vol 4, Pg# 319

32۔ فوائد الفواد، ۳۱۹/۴۔۳۲۰
Fawā'id al-Fawād, Vol 4, Pg# 319, 320

33۔ فوائد الفواد، ۲۶۵/۳
Fawā'id al-Fawād, Vol 3, Pg# 265

34۔ فوائد الفواد، ۲۱۷/۲
Fawā'id al-Fawād, Vol 2, Pg# 217

35۔ محوّلہ بالا
Ibid;